مولانا فیض محمد قادری گجوی۔احوال وآثار

Mawlānā Faiz Muhammad Qadrī Gujvī: Life & Works

Dr. Manzoor Ahmed
Assistant Professor
Department of Islamic Studies & Arabic, Gomal University
Email: drmanzoor67@yahoo.com

Dr. Hafiz Abdul Majeed
Assistant Professor
Department of Islamic Studies & Arabic, Gomal University

ABSTRACT

Mawlānā Faiz Muhammad Qadrī Gujvī (1921- 1970) was a famous scholar during his time in a backword District of Punjāb. He belonged to a poor family and got his education in the conditions of misery and poverty. After the completion of religious education from different areas of Punjāb, he completed his education (Dars-e-Nizamī) and Ḥadith sciences in famous Dār-ul-'ulōm Deoband (India).He served in teaching profession in different religious institutions. In spite of poverty, his personal library was consist of 700 valueable and precious books and had several rare manuscripts. He was undounted person and also a true speaker. He was an alpinist of courage, hope and as soon as a marvelous example of steadfastness. He wrote thirteen memorable books in his life, five of them published during his life and others remained unpublished. His life and work is tried to discuss in this article.

Keywords: *Gujvī, Poverty, Book friendly, Steadfastness, Dār-ul-'ulōm.*

اللہ تعالیٰ نے محنت کرنے، مشقت جھیلنے اور اپنے آپ کو بنانے سنوارنے کا جذبہ ہر انسان کو دیا ہے۔انسانی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ایسا جذبہ رکھنے والا انسان کبھی ناکام نہیں ہوتا۔ مصائب اور مشکلات پُر عزم انسان کے آگے بڑھنے کا جذبہ کبھی ختم نہیں کر سکتیں۔نامساعد حالات اسے عظمت ورفعت کے راستوں پر گامزن ہونے سے نہیں روک سکتے۔ایسے عظیم انسان عزم وہمت کے کوہِ گراں ثابت ہوتے ہیں اور اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو روندتے چلے جاتے ہیں۔ان کے حوصلے کبھی پست نہیں ہوتے اور ان کے جذبے کبھی مدھم ہیں پڑتے۔ایسے لوگ صفحۂ ہستی پر اپنی عزت وعظمت کے ایسے آثار اور نقوش چھوڑ جاتے ہیں جو کبھی مٹتے نہیں ہیں۔انہیں عظیم لوگوں میں سے ایک نام مولانا فیض محمد قادری گجوی کا بھی ہے۔

ابتدائی حالات:

مولانا فیض محمد قادری گجوی بن غلام رسول بن غلام حسن ۷ مارچ ۱۹۲۱ء کو علاقہ دامان گرہ نور خان، ڈاکخانہ نائی ویلہ ، تحصیل پروآ، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے۔[1]

آپ کی عمر چار سال تھی جب آپ کے والد غلام رسول ۲۳ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔[2] درس وتدریس اور مساجد کی امامت ان کے اسلاف کا شیوہ رہا۔ان میں سے بعض کاشتکاری اور بعض کسی قسم کی مزدوری کرتے تھے۔طبیعت میں سادگی تھی۔ تکلف وتصنّع سے دور تھے۔تازیست کسی بھی عدالت میں مدعی ہو کر پیش نہیں ہوئے۔بلکہ انہوں نے اپنی اولاد کو بھی وصیت کی کہ وہ کسی قسم کی انگریز کی ملازمت نہ کریں۔[3]

حصول تعلیم:

مولانا فیض محمد گجوی نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علاقہ کچا بھکر نشیب بنام گجہ میں اپنے ننھیال کے ہاں مستقل سکونت اختیار کر لی اور پھر یہاں ساری زندگی گزار دی۔اس لیے آپ گجوی کے نام سے مشہور ہوئے۔[4]

ابتدائی چار جماعتیں ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۱ء تک پرائمری سکول نائی ویلہ میں پڑھیں۔اپنے چچا سے قرآن مجید ناظرہ پڑھا اور مدرسہ اسلامیہ پروآ میں فارسی کی کتابیں پڑھنا شروع کیں۔[5] فارسی نظم کی کتابیں کلور کوٹ کی پٹی میں عارضی طور پر مقیم ایک مولوی صاحب سے پڑھیں۔اس کے بعد صَرف پڑھنے کا ارادہ کیا تو زادِ راہ نہ تھا اور نہ کسی مدرسہ سے واقف تھے۔کلور کوٹ سے ریلوے لائن پر چلتے ہوئے پورے ایک مہینہ میں ملتان پہنچے۔وہاں جس مدرسہ میں گئے ان کے ہاں صَرف پڑھنے والوں کے لیے جگہ نہ تھی۔پھر کئی سے مدرسوں کے چکر لگائے۔غوث پور تھیم میں مولانا نور الحق کے ہاں درس میں ٹھہرے اور صَرف کی کتابیں ان سے پڑھیں۔[6]

جامعہ عباسیہ بہاولپور میں تعلیم کے حصول کی غرض سے گئے، لیکن وہاں گرمیوں کی چھٹیاں ہو چکی تھیں۔اس لیے کسی اور جگہ مدرسہ کی تلاش شروع ہوئی۔جامع مسجد قبا احمد پور شرقیہ میں پڑھنے کے لیے جگہ مل گئی، وہاں نحو میر پڑھنا شروع کی۔[7]

اس کے بعد مزید تعلیم کے حصول کے لیے ترنڈہ مولویاں پہنچے۔وہاں شرح مائۃ عامل، ہدایہ اولین، شرح جامی، سراجی اور مطول تک کتابیں پڑھیں۔منتہی کتابوں کے لیے کسی مشہور درس گاہ میں جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہاں کے اساتذہ مولانا نور الحسن، مولانا عبد الستار اور مولانا عبد الغفور سے اجازت مانگی۔انہوں نے نہ صرف اجازت دی، بلکہ سیالکوٹی تحصیل کی دستار بندی سے اعزاز بھی بخشا۔[8]

مدرسہ محمدیہ تڑہال کی شہرت سن کر وہاں پہنچے اور وہاں چار سال ٹھہر کر مولانا عبد الخالق اور مولانا محمد علی سے تفسیر، حدیث، فقہ، معقول، اصول، فلسفہ اور ادب کی تمام کتابوں پر عبور حاصل کیا۔[9]

دورۂ حدیث کے لیے دار العلوم دیوبند پہنچے۔وہاں مولانا اعزاز علی، مولانا فخر الحسن، مولانا بشیر احمد، مولانا ریاض الدین اور مولانا نافع گل سے حدیث کے اسباق پڑھے۔۱۱ شوال ۱۳۶۱ھ سے ۱۱ شعبان ۱۳۶۲ھ تک دورۂ حدیث کے لیے دار العلوم دیوبند میں قیام کیا۔[10]

حصول تعلیم میں مشکلات:

مولانا فیض محمد گجوی کو حصول تعلیم میں بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان کی ثابت قدمی اور ذوق وشوق نے ان مشکلات کو بخوشی برداشت کیا۔اور اپنا علمی سفر جاری رکھا۔

أ. ۱۹۳۳ء میں بھکر میں کوئی مدرسہ نہ تھا، کسی دوسرے ضلع میں جانے کے لیے واقفیت نہیں تھی۔اس دوران ایک مولوی صاحب کے پاس فارسی کی کتابیں پڑھتے۔بھیک مانگ کر روٹی کھاتے رہے۔لاٹھی اور لوٹا ہاتھ میں لے کر ہر دروازے پر صدا دیتے اور جو آٹا ملتا اس سے روٹی پکوا کر کھاتے۔[11]

ب. ایک دفعہ انہوں نے ایک عورت کو دیکھا جو اپنے بیمار لڑکے کے سر پر روٹی گھما کر کتے کو ڈال رہی تھی۔ان کے دل میں خیال آیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ روٹی کتے کی بجائے انہیں دے دیتی چنانچہ ایسا ہی ہوا، وہ عورت روٹی کو اپنے لڑکے پر چند بار گھما کر انہیں دے دیتی اور وہ بخوشی اس روٹی کو کھا لیتے۔اس طرح چند دن بھیک مانگنے سے بچ گئے۔[12]

ج. سردیوں کا موسم آیا تو اوڑھنے کے لیے ان کے پاس رضائی نہ تھی، سونے کے لیے چارپائی بھی نہیں تھی۔رات کو وہ مسجد کی صف میں لپٹ جاتے، گھومتے اور مزید لپٹ جاتے اس طرح وہ سردی سے بچنے کی کوشش کرتے۔[13]

د. ایک مرتبہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے ایک ردی جوتی اٹھائی۔اگر کسی جگہ جانا پڑتا تو اس کو ہاتھ میں لے لیتے تاکہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ اس کے پاس جوتی نہیں ہے۔[14]

ہ. مدارس میں شعبان کی چھٹیاں ہوتیں تو ان کے پاس گھر واپسی کے لیے کرایہ نہ ہوتا۔پیدل چل کر گھر آتے، عید کے بعد پیادہ چل کر مدرسہ جاتے۔چلتے چلتے پاؤں سوج جاتے اور تلوے زخمی ہو جاتے۔عموماً شام کو پانی گرم کر کے اس میں نمک ڈال کر پاؤں دھوتے جس سے ورم کم ہو جاتا پھر دوسرے دن اپنے سفر پر روانہ ہو جاتے۔[15]

بیعت وارادت:

دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران مورخہ ۳ صفر المظفر ۱۳۶۲ھ کو حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے دست حق پرست پر بیعت کی۔جب ان کا وصال ہو گیا تو اس کے بعد حضرت مولانا عبدالغفور، مرشد آباد ضلع میانوالی کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔[16]

درس وتدریس:

مولانا فیض محمد قادری گجوی دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد واپس آئے تو درس وتدریس کا شغل اختیار کیا۔تدریس کے سلسلے میں مختلف اوقات میں ان مدارس میں خدمات سرانجام دیں:

أ. ۔مدرسہ احمد المدارس، باگڑ سرگانہ، ضلع ملتان۔

ب. ۔مدرسہ مظہر العلوم، بیرون دولت گیٹ، ملتان۔

ج. ۔مدرسہ قادریہ، بستی گجہ نشیب، بھکر۔

د. ۔مدرسہ حسنیہ، مرشد آباد، ضلع بھکر۔

ہ. ۔مدرسہ عربیہ جامع العلوم عید گاہ شمالی، بھکر۔

مولانا فیض محمد گجوی اپنی تدریسی زندگی کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

''دارالعلوم دیوبند سے واپس آنے کے بعد مدرسہ احمد المدارس باگڑ سرگانہ ضلع ملتان میں درس وتدریس کا شغل اختیار کر لیا۔وہاں میں نے ابتدائی اور انتہائی سب درجہ کے طلبہ کو بہت محنت سے پڑھایا۔ہر کتاب کا باقاعدہ مطالعہ کر کے اس کی عبارت کا مطلب ذہن نشین کر کے درس گاہ میں جاتا تھا اور وہاں بغیر کتاب دیکھے از بر سبق پڑھاتا تھا۔یہاں تک کہ سردی کے موسم میں سردی کی طویل راتوں کو مجھے مطالعہ کرنے کے باعث نیند کرنے کا موقع نہ ملتا سوائے جمعہ کی رات کے۔چار پائی پر بستر بچھانے کی ضرورت نہ رہتی۔''[17]

مولانا فیض محمد قادری گجوی تقریباً دس سال تک مدرسہ حسنیہ مرشد آباد ضلع بھکر میں درس وتدریس کی ذمہ داری سے وابستہ رہے۔یہ عرصہ ان کی علمی زندگی کا بہت قیمتی اور یادگار عرصہ تھا۔مدرسہ حسنیہ مرشد آباد کے حوالے سے آپ خود لکھتے ہیں:

''مدرسہ حسنیہ مرشد آباد شریف میں صدر مدرس ہوں۔یہاں دربار شریف پر ۵۰ طالب علم کتابی اور تقریباً ۵۰ طالب علم قرآنی حفظ وناظرہ میں بھی ہر سال موجود رہتے ہیں۔اس سال تین مدرس اپنے فرائض خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔آئندہ سال ایک قاری القرآن کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔یہاں مدرسہ کے لیے کوئی چندہ وغیرہ نہیں لیا جاتا۔یہاں درس وتدریس، تصنیف، مطالعہ وغیرہ تعلیمی مشاغل میں وقت گزرتا ہے۔''[18]

تلامذہ:

آپ اپنی زندگی میں مختلف مقامات کے مختلف دینی مدارس میں تعلیم وتعلّم کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔بہت سے لوگوں نے مختلف اوقات میں آپ سے کسبِ فیض کیا۔آپ کے مشہور تلامذہ میں مولانا عبید اللہ[19]، مولانا پروفیسر عبد اللہ[20]، مولانا عبد المعید سبحانی[21] اور مولانا محمد صدیقی[22] شامل ہیں۔

سیرت وکردار:

مولانا فیض محمد گجوی اچھی سیرت اور بہترین کردار کے حامل عالم دین تھے۔وہ ایک حق گو اور بے باک قسم کے انسان تھے، عزم وہمت کا کوہ گراں تھے اور جرات واستقامت کی شاندار مثال تھے۔ان کی تمام زندگی عسرت وتنگ دستی میں گزری مگر اس کے باوجود انہوں نے علمی مشاغل کو جاری رکھا۔

ا۔حق گوئی:

مولانا فیض محمد نڈر اور بے باک عالم تھے وہ حق گوئی میں اعلیٰ مثال تھے۔ان کی سوانح حیات میں اس کے حوالے سے بہت سے نمونے ملتے ہیں۔وہ اپنی خود نوشت سوانح حیات ''میری زندگی'' میں لکھتے ہیں:

''میں ضلع ملتان ایک مدرسہ میں پڑھاتا تھا۔ایک دفعہ موضع باگڑ (ملتان) میں شور کوٹ سے ایک بارات آئی ہوئی تھی۔ جہاں داری اور برادری تمام رسمیں پوری کر چکے تھے۔اب صرف نکاح پڑھا کر واپس جانا تھا۔ مجلس نکاح منعقد ہوئی مولوی غلام قادر صاحب نکاح خواں بھی آگئے، مگر قصبہ کے بڑے زمیندار مہر صاحب کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔اس کے قائم مقام کے لیے لوگوں نے میرا نام تجویز کیا۔ مجھے بلا کے لے گئے۔ میں نے جاتے ہی نظام مجلس کو درست پایااور مولوی صاحب کو نکاح کی اجازت دے دی۔جب مولوی صاحب نے دولھا میاں کو کلمہ شہادت پڑھایا، دیکھا تو دولھا کو کلمہ سیدھا نہ آتا تھا۔ میں نے مولوی صاحب کو خاموش کرادیااور دولھا سے کہا کہ کلمۂ شہادت سناؤ تو اس کو نہ آیا۔ پھر درود شریف پوچھا وہ بھی نہ آیا۔ پھر نماز کے ارکان پوچھے تو اس کو کچھ نہ آیا۔تب میں نے سارے مجمع سے کہا کہ یہ نکاح جائز نہیں ہے۔اتنا کہہ کر چل پڑا۔ سب لوگ واپس چلے گئے۔ بارات کی بہت بے عزتی ہوئی۔ان کا مجوزہ پروگرام خلط ملط ہو گیا۔البتہ دوسرے دن دولھا کو سب کچھ یاد کرایا گیا۔تب میں نے اجازت دے دی۔اس بات کا اتنا چرچا ہوا کہ باگڑ میں جو بارات آتی دولھا کو یہ چیزیں پڑھا کر لاتے۔اس بات کا اثر تین سال تک رہا۔''[23]

مولانا فیض محمد گجوی سادہ انسان تھے۔انہوں نے انتہائی سادگی سے زندگی گزاری۔ مولانا عارف حسین قدوسی کہتے ہیں:

مولانا فیض محمد گجوی ایک درویش قسم کے آدمی تھے۔انتہائی سادہ لوح غریب آدمی تھے۔ قناعت پسندی ان میں حد درجہ تھی۔ وہ ایک قابل اعتماد ساتھی تھے۔[24]

۲۔ مستقل مزاجی:

مولانا فیض محمد گجوی نیک سیرت انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے پیکر تھے یہ مولانا صاحب کی مستقل مزاجی ہی تھی جو انہیں اتنے عظیم منصب پر لے گئی۔ وگرنہ غفلت اور سستی کا مظاہرہ کرتے تو کبھی یہ مقام حاصل نہ کر پاتے۔ حصولِ تعلیم کے ابتدائی مرحلہ سے لیکر سفر ملتان بلکہ سفر دیوبند تک ان کے پایۂ استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ حالات چاہے جیسے بھی رہے اس راہ نوردِ شوق نے اپنا علمی سفر جاری رکھا۔

دارالعلوم دیوبند کے طویل سفر پر جانے کے لیے انہیں کس قدر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا وہ اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

''دورۂ حدیث شریف کے لیے دارالعلوم دیوبند جانے کی تیاری ہوئی تو یہ فکر دامن گیر تھی کہ یہ معاملہ کس طرح حل ہوگا؟ ماہ رمضان میں سخت بیمار ہوگیا۔ والدہ محترمہ نے ایک شخص کو اجرت پر دانے پیس دیئے اور میرے زاد راہ کا اہتمام کیا۔''[2]

۳۔ جرأت وبہادری:

مولانا فیض محمد گجوی صاحب سیف تو نہ تھے لیکن صاحب قلم ضرور تھے۔انہوں نے جہاں کہیں بھی خلاف شریعت کام دیکھا اس پر بروقت ٹوکا اور جہاں کہیں بھی علم کی ناقدری دیکھی وہاں اپنے فرطِ غم کا اظہار ضرور کیا۔ مثبت تنقید کو اپنی پوری زندگی کا شعار بنایااور یہی ایک عالم دین کے شایانِ شان ہے۔ وہ اپنے دور میں بھکر کی علمی ناقدری کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے علاقہ تحصیل بھکر میں علم کی ناقدری بہت ہے، مدت سے لوگوں کا شیوہ ہے۔آپ ضلع ملتان جا کر دیکھیں سب زمینداروں کے درس ہیں جہاں علم پڑھایا جاتا ہے۔ہمارے بھکر کے بدبخت رئیسوں کو سوائے علماء کے گلہ کے کچھ نہیں آتا۔درحقیقت یہ چمگادڑ ہیں جو علم کی روشنی کے ادراک سے قاصر ہیں۔''[26]

مزید لکھتے ہیں: تحصیل بھکر ایک ایسا پسماندہ علاقہ ہے جہاں اہل علم کی قدر و منزلت مفقود بلکہ معدوم ہے۔اس علاقہ کے بڑے بڑے جید علماء ہیں جو وطن (علاقہ) سے باہر رہ کر علمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔چنانچہ بندہ کو بھی اس علاقہ سے یہی شکایت ہے۔[27]

۴۔وعظ و نصیحت:

مولانا فیض محمد قادری نے ۲۴ سال کی عمر میں وعظ و نصیحت کا آغاز کیا۔تدریس کے ساتھ ساتھ خطابت کی ذمہ داریاں بھی نبھاتے رہے۔بستی گجہ، بستی داجل، نشیب بھکر، مرشد آباد تھل وغیرہ کے علاقہ میں تبلیغ واصلاح کے لیے مختلف مواقع پر تقاریر کرتے زندگی گزاری۔

مولانا فیض محمد قادری گجوی ایک جید عالم تھے۔بے حد سادہ تھے۔انہیں دیکھ کر اجنبی بندہ عالم دین نہ سمجھتا تھا، بلکہ ہر کوئی یہی سمجھتا تھا کہ یہ کوئی عام شخص ہے۔تقریر دلپذیر کرتے تھے۔جس موضوع پر بھی آپ کو تقریر کے لیے کہا جاتا، اس پر آپ دل کھول کر بیان کرتے تھے۔[28]

۵۔ذاتی کتب خانہ۔کتب خانہ فیضیہ:

مولانا فیض محمد گجوی ایک کتاب دوست عالم تھے۔انہیں کتابیں پڑھنے اور کتابیں جمع کرنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ان کی زندگی عسرت و تنگ دستی میں گزری مگر کتاب کی محبت ان کے دل سے کبھی نہ گئی۔کتاب ہی ان کا سرمایہ اور کتاب ہی ان کا مال واسباب ٹھہری۔کتاب کی محبت انہیں آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملی اور آپ نے نہ صرف اس قیمتی ورثہ کی حفاظت کی بلکہ باجود عسرت کے اس میں قابل قدر اضافہ بھی کیا۔وہ لکھتے ہیں:

''میرے آباؤ اجداد نے سوائے ذخیرہ علمی اور کوئی سرمایہ جمع نہیں کیا۔چنانچہ میں نے بھی اس کتب خانہ کی ترقی میں کوشش کر کے کافی کتابوں کو جمع کیا اور کتب خانہ میں اضافہ کیا۔تمام کتابوں کو از سر نو مجلد کیا اور سب کو الماریوں میں نصب کیا۔یہ کتب خانہ ۷۰۰ کتابوں کا نادر ذخیرہ ہے، جس میں دُرِّ نایاب کتب بھی شامل ہیں۔''[29]

افسوس کہ اس قدر محنت و مشقت سے جمع کردہ کتابوں کا ذخیرہ ان کے خاندان کے پاس محفوظ نہ رہ سکا۔اولاد کی شرفِ علم سے محرومی اور غربت و تنگ دستی کی وجہ سے یہ بیچ دیا گیا۔مدرسہ شرعیہ بہل کے بانی مولانا کریم بخش نے یہ کتب خانہ خریدا۔مولانا کریم بخش اس ذخیرہ کتب کی خریداری کے بارے میں کہتے ہیں:

''میں نے مولانا فیض محمد قادری گجوی کا کتب خانہ آج (۲۰۱۳ء) سے تقریباً ۴۰ سال پہلے خریدا تھا۔کتب خانہ میرے حوالے کرتے وقت ان کے بڑے بیٹے کے علاوہ دو اور افراد بھی شامل تھے۔یہ کتب خانہ میں نے ۳۵۰ روپے میں خریدا

تھا۔ کتابوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں، البتہ اس میں زیادہ تر کتابیں عربی اور فارسی کی تھیں۔ اس میں بہت کم تعداد غیر مطبوعہ کتب کی بھی تھی۔"[30]

۶۔ مخطوطات سے لگاؤ:

مولانا فیض محمد گجوی کو مخطوطات کے ساتھ خاصا لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کئی قیمتی مخطوطات ان کے کتب خانے کی زینت بنے۔ مخدوم زادہ سید حامد رضا گیلانی کی فرمائش پر انہوں نے اپنے کتب خانہ کے مخطوطات، ملتان میں ہونے والی نمائش کے لیے بھی پیش کیے۔ مجلس منتظمہ جشن ملتان نے ان مخطوطات کی باقاعدہ فہرست جاری کی۔ اس فہرست میں ان کی تعداد ۴۶ بتائی گئی ہے۔

چند اہم مخطوطات حسب ذیل ہیں:

۱۔ قرآن مجید: قلمی مع فارسی ترجمہ جو خود مترجم شیخ سعدی شیرازی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔

۲۔ اخبار القرآن: قلمی، عربی از حسین بن علی بن افراسیاب۔

۳۔ جوہر التفسیر: قلمی، فارسی جلد اول و دوم، از ملا حسین کاشفی۔

۴۔ الاشباہ والنظائر: قلمی، عربی، از امام نجم الدین۔

۵۔ تحفۃ الاخیار: قلمی، عربی از مولانا امین۔

۶۔ معارج النبوۃ: قلمی، فارسی، از ملا معین الدین۔

۷۔ النبراس: قلمی، عربی، از عبد العزیز پرہاروی۔

۸۔ کتاب الانساب: قلمی، فارسی، از غلام قادر قریشی۔

۹۔ شرح قصیدہ بردہ: قلمی، فارسی، از سید نظام الدین۔

۱۰۔ شرح منار الاصول: قلمی، عربی، کاتب علی محمد۔[31]

اولاد:

مولانا فیض محمد گجوی نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں۔ پہلی دو شادیوں سے اولاد ہوئی لیکن بچپن ہی میں فوت ہوگئی۔ تیسری شادی سے پانچ بچے ہوئے۔[32] چھوٹے بیٹے محمد عاصم گورنمنٹ کالج بھکر میں کمپیوٹر سائنس کے شعبہ میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔

وفات:

مولانا فیض محمد قادری ایک مہینہ کی علالت کے بعد ۲۸ فروری ۱۹۷۰ء کو فوت ہوئے۔ مولانا نور سلطان قادری نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو مختتم عثمان نامی قبرستان بھکر میں سپرد خاک کیا گیا۔[33]

اہل علم ودانش کا اعتراف:

شیخ الحدیث محمد شریف رضوی، بانی جامعہ سراجیہ رضویہ بھکر، نے مولانا فیض محمد گجوی کے بارے میں کہا:

"نہایت سادہ منش، درویش قسم کے آدمی تھے۔ایک قابل عالم دین تھے۔نہایت متواضع، تکبر اور لالچ سے حد درجہ دور تھے۔ قناعت پسند آدمی تھے۔ مؤرخِ اسلام، حدیث، فقہ اور اسلامی علوم کے ماہر تھے۔میرے مدرسے مظہر العلوم ملتان میں ایک سال پڑھاتے رہے۔درس نظامی میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ان کے پاس بہت بڑا کتب خانہ تھا۔"[34]

مولانا عبید اللہ، خطیب جامع مسجد درابن خورد علاقہ دامان، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، کہتے ہیں:

"انتہائی قابل اور نہایت ہی سادہ لوح شخصیت تھے۔درس نظامی میں انہیں کمال حاصل تھا۔ درس وتدریس کا انداز نہایت پسندیدہ تھا۔کئی اضلاع کے طلبہ ان سے علم حاصل کرتے تھے۔علماء کا حد درجہ احترام کرتے تھے اور انکساری سے پیش آتے تھے۔ تقریر بہت مدلل کرتے تھے۔"[35]

پروفیسر حافظ عبداللہ، سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج بھکر، ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضرت والا فاضل دارالعلوم دیوبند کچہ نشیب بھکر کے رہائشی تھے۔انتہائی عسرت اور تنگ دستی کے حال میں زندگی گزاری۔انتہائی قابل، محنتی، جفاکش، خدا یاد، ماہر تدریس، مایہ ناز مؤرخ اور فقیہ تھے۔علاقہ میں شرعی فتویٰ میں سند مانے جاتے تھے۔"[36]

صاحبزادہ عبدالمعید سبحانی، سجادہ نشیں خانقاہ مرشد آباد ضلع بھکر، ان کے بارے میں کہتے ہیں:

"انتہائی سادہ طبیعت کے مالک اور درویش قسم کے انسان تھے۔انہیں درس وتدریس میں کمال حاصل تھا۔درس و تدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف میں اپنا وقت گزارتے تھے۔"[37]

مولانا محمد حسین صدیقی کہتے ہیں:

"انہوں نے ایک کٹھن دور میں زندگی گزاری۔انتہائی سادہ لوح اور قابل اعتماد ساتھی تھے۔بہترین معلم، ماہر تدریس، مؤرخِ اسلام اور اعلیٰ پائے کے عالم دین تھے۔"[38]

مولانا فیض محمد گجوی نے اپنے علمی آثار میں ایک دینی مدرسہ اور چند تصانیف اپنے پیچھے چھوڑیں۔ان کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔مدرسہ قادریہ، بستی کچہ نشیب بھکر کا قیام

مولانا فیض محمد گجوی نے علوم اسلامیہ کے فروغ کے لیے بستی کچہ نشیب بھکر میں مدرسہ قادریہ قائم کیا۔اس کا سنگ بنیاد ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ میں رکھا گیا۔اس مدرسہ میں مولانا فیض کو علم اور طالبان علم کی خدمت کے لیے بڑی جانفشانی اور مشقت سے کام کرنا پڑا۔وہ لکھتے ہیں:

"ضعیف والدہ ماجدہ کی خدمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے علاقہ ملتان کے علم پرور لوگوں کو الوداع کیا اور سرزمین ملتان سے رخصت ہو کر اپنے ننھیال گجہ (نشیب بھکر) آیا، وہاں مدرسہ قادریہ قائم ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ میں درس وتدریس کا کام شروع کر دیا۔بہت کافی طلبہ وہاں آگئے، یہاں تک کہ ملک کے اطراف واکناف میں گجہ کا درس

مشہور ہو گیا اور ضلع بھر میں یہ واحد دینی درسگاہ تھی جہاں ملتان سے کندیاں (ضلع میانوالی) تک تشنگان علوم سیراب ہو سکتے تھے۔ مدرسہ ہذا میں بمصداق ہم کوزہ وہم کوزہ گر، درس وتدریس کا کام بھی میرے ذمہ تھا اور ادھر ادھر سے چندہ لاکر مدرسہ کے اخراجات کا انتظام بھی۔ اس درس کے قائم کرنے میں بڑی ریاضت کرنی پڑی۔"[39]

تصانیف:

مولانا فیض محمد گجوی نے کئی یادگار تصانیف چھوڑیں، ان تصانیف میں سے کچھ تو وہ ہیں جو زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو شائع نہیں ہو سکیں۔ البتہ ان کے تذکرہ نگاروں نے اور خود مولانا نے سوانح حیات "میری زندگی" میں ان کا ذکر کیا۔

مطبوعہ تصانیف:

مولانا فیض محمد گجوی کی مطبوعہ تصانیف کی تعداد پانچ ہے ان کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

ا۔ دُرة التاج فی مسئلة المعراج:

یہ کتاب واقعہ معراج کے تفصیلی بیان پر مشتمل ہے اور آیت: (سبحان االله الذی اسریٰ بعبده ۔۔۔۔ الخ)[40] کی مکمل اور جامع تفسیر ہے۔ اس میں معراج النبی کے حوالے سے دو سو پینتالیس مسائل کو باقاعدہ عنوان قائم کر کے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے مولانا فیض محمد گجوی نے لکھا ہے: واقعہ معراج میں کوئی جامع اور مکمل کتاب نظر نہ آئی۔ جس سے سب مسلمان عموماً واعظین حضرات خصوصاً فائدہ حاصل کر سکیں۔ اس سلسلے میں ضلع ملتان کے مولوی صاحبان نے بھی فرمائش کی کہ اس مقدس بیان کے متعلق تمام روایات جمع کروں۔ چنانچہ مختلف کتابوں کے مضامین کو یکجا کر کے ترتیب دی اور بحمد اللہ یہ کتاب معرض وجود میں آئی۔[41]

اس کتاب کا مقدمہ بھکر کی معروف علمی شخصیت مولانا فیض احمد، سابق مدرس جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف، نے لکھا۔ کتاب کی تصنیف کے دوران ایک سو سے زائد مستند کتابیں مولانا کے پیش نظر رہیں، ان کتب میں صحیح بخاری، سنن نسائی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر روح المعانی، خصائص کبریٰ، شرح نخبۃ الفکر، البحر الرائق، احیاء العلوم وغیرہ شامل ہیں۔ کتاب کا انداز بیان سادہ اور علمی ہے۔ ادبی چاشنی موجود ہے، حسنِ ترتیب سے کتاب مزین ہے۔ مولانا کے قلم میں سلاست، سادگی اور روانی ہے۔ ۱۹۶۴ء تک اس کے تین ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔[42]

۲۔ گلزار معرفت:

یہ کتاب مولانا خواجہ گل حسن رحمۃ اللہ علیہ بانی خانقاہ مرشد آباد ضلع بھکر کے حالات پر مشتمل ہے۔ آپ کا تعلق نقشبندی سلسلے سے تھا۔ آپ کے مشائخ کے حالات کو بھی ضمناً بیان کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عرق النساء اور وجع المفاصل کی وجہ سے میں بالکل پریشان ہو گیا تھا اور اٹھنے بیٹھنے سے لاچار ہو گیا، حتیٰ کہ چلتے پھرتے لوگوں کو دیکھ کر رشک کرتا تھا۔ ایک کامل بزرگ نے فرمایا کہ تمہاری اس مصیبت کا حل یہ ہے

کہ اولیائے کرام میں سے کسی کی سوانح حیات تصنیف کرو۔ چنانچہ حضرت خواجہ گل حسن صاحبؒ کی سوانح حیات مسمی بہ گلزار معرفت تصنیف کی۔ رحیم وکریم مالک نے تندرستی عطا فرمائی۔''[43]

یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔اس کا مقدمہ معروف شاعر اور ادارہ تدوین تاریخ ملتان کے صدر میر حسان الحیدری نے لکھا ہے۔ پہلے باب میں تقریباً ۳۵ مشائخ نقشبندیہ کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔اسی باب کے آخر میں مولانا گل حسن کا سوانحی تذکرہ شامل ہے۔دوسرے باب میں مولانا گل حسنؒ کی کرامات بیان کی گئی ہیں۔ تیسرا باب ان کے مکاتیب پر مشتمل ہے۔چوتھے باب میں خواجہ صاحبؒ کے عملیات و تعویذات اور پانچویں باب میں نسخہ جات کا ذکر ہے۔چھٹے باب میں ان کے ملفوظات بیان ہوئے ہیں۔ساتویں باب میں طرق سلوک یعنی وصول الی اللہ کے طریقوں پر بحث کی گئی ہے۔آٹھواں باب سلسلہ نقشبندیہ کے ختم خواجگان اور ادعیہ پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں مولانا کا اسلوب سادہ، زبان رواں اور کسی قدر ادبی ذوق نمایاں ہے۔یہ کتاب علم وادب، تصوف واخلاق، تاریخ وسیر اور اعمال ووظائف کا خوب صورت گلدستہ ہے۔آپ اس کتاب کی تالیف سے ۱۶ جون ۱۹۶۱ء میں فارغ ہوئے۔جولائی ۱۹۶۱ء میں یہ کتاب دین محمدی پریس لاہور سے شائع ہوئی۔

۳۔سرورالعباد فی بیان المیلاد:

یہ کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کے بیان پر مشتمل ہے۔اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ نسب کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔حضور کی ولادت باسعادت کے وقت پیش آنے والے واقعات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ مجلس میلاد کے ثبوت اور اس میں ہونے والے قیام کی شرعی حیثیت کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔

مولانا فیض محمد قادری اس کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فدوی وقتاً فوقتاً ایک بیاض میں عبارات متعلقہ میلاد شریف بمعہ حوالہ جات تحریر کرتا رہا ہے۔

بود در جہاں ہر کسے را خیالے مرا در جہاں بس خیال محمد

خوشا مسجد و منبر و خانقاہے کہ در وے بود قیل و قال محمد

چنانچہ چند مضامین متعلقہ ھٰذا فراہم کر کے رسالہ ھٰذا مرتب کیا اور اللہ جل شانہ کا احسان ہے کہ یہ ناچیز اعتراف بے بضاعتی کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے احوال مبارکہ پیش کرنے کے قابل ہوا جو کہ میری زندگی کا بہترین سرمایہ اور میری مساعی کا اعلیٰ ترین اندوختہ ہے۔[44]

اس کتاب میں جو مضامین مولانا فیض محمد گجوی نے تحقیق مصداق نور، تشریف آوری، آپ کا اول الخلق ہونا، برکات سیرت طیبہ، اثبات حقوق رسالت، نور کی جلوہ گری، بعثت عامہ، شجرہ نسب، مشاہدات خواجہ عبدالمطلب، تاریخ ولادت، ابولہب سے تخفیف، ثبوت مجلس میلاد، مسئلہ قیام تعظیمی، ایوان کسریٰ کا ہلنا وغیرہ عنوان قائم کر کے جامع اور مدلل گفتگو کی ہے۔اس رسالہ کی تحقیق کے لیے انہوں نے ۱۲۰ کتب سے استفادہ کیا ہے، جن میں تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ کی امہات الکتب شامل ہیں۔وہ تالیف کتاب کے سلسلے میں اپنی محنت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

ان مذکورہ کتابوں کے متعلقہ اور ان سے عبارات منتقل کرنے کے معاملہ میں میں نے بہت سے کتب خانوں میں جا کر اوراق گردانی کی۔ زیادہ تر فوائد اس بارے میں کتب خانہ خانقاہ سراجیہ کندیاں اور کتب خانہ فیضیہ گجہ ضلع میانوالی سے حاصل ہوئے۔[45] ۱۶۸صفحات پر مشتمل اس کتاب کو مکتبہ سعیدیہ رضویہ مدرسہ شوکت اسلام خانیوال نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔

۴۔اعلاءاللواءفی تحقیق البناءعلی قبور الاولیاء :

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو ۶۴صفحات پر مشتمل ہے۔اس رسالہ میں مولانا فیض محمد گجوی نے اولیائے کرام کی قبور پر گنبد بنانے کا جواز پیش کیا ہے۔بنیادی طور پر یہ ان پینتالیس مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جنہیں مولانا فیض محمد گجوی نے مذہب اہل سنت نامی کتاب میں بیان کیا ہے۔اس کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ بزرگوں کے مزارات پر بناء کرنے کی علمی تحقیق ہے اور اس کے جواز میں تفسیر، حدیث اور فقہ سے اقوال جمع کیے گئے ہیں تاکہ جن لوگوں کو بزرگوں سے عقیدت ہے ان کے لیے مزید اطمینان کا باعث ہو۔[46]

یہ رسالہ ۱۴ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب ان علماء کا موقف بیان کیا گیا ہے جو جواز کے قائل ہیں۔دوسرا باب روضے کے مناقب کے بارے میں ہے۔ تیسرا باب اثبات تعامل کے بارے میں ہے اور یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ تعامل اہل اسلام حجت ہے۔چوتھے باب میں مختلف مسائل و نظریات بیان کیے گئے جن کا تعلق مزارات اولیاء سے ہے۔اس رسالہ کی تالیف کے سلسلے میں مولانا گجوی نے چالیس سے زائد کتب سے استفادہ کیا ہے۔رسالہ ایک علمی تحقیق ہے جس میں مستند عربی اور فارسی کتب سے باقاعدہ حوالہ جات درج کیے گئے ہیں۔مولانا گجوی اس تالیف سے جنوری ۱۹۶۰ء میں فارغ ہوئے اور دین محمدی پریس لاہور نے اسے شائع کیا۔

۵۔میری زندگی:

یہ مولانا گجوی کی مختصر خود نوشت سوانح حیات ہے جو ۴۶صفحات پر مشتمل ہے۔اس کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس فانی دنیا میں کئی شخص وجود میں آئے اور اس عارضی قیام گاہ کو اصلی وطن سمجھا، شاداں وفرحان زندگی بسر کی، مگر جب عدم کو سدھارے تو ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔ہاں، اگر کسی شخص نے کوئی یادگار چھوڑی، جس سے اس کا تذکرہ صفحہ ہستی پر ثابت رہ گیا تو اس نے زندگی پائی۔ بعض دوستوں نے تقاضا کیا کہ میں ان کو اپنی سوانح حیات کے مضامین فراہم کر کے ایک تصنیف کر دوں، جس کی رہنمائی میں وہ میرے حالات پر سوانح حیات تصنیف کر سکیں۔۔۔سوانح نگاروں کے لحاظ سے مجھے خود اپنے حالات اچھی طرح معلوم ہیں جو کہ تحریر کیے جاتے ہیں۔''[47]

مولانا نے اس مختصر رسالے میں خاندانی روایات، شجرہ نسب، اسلاف کی زندگی، سکونت اور وطن، حالات بچپن۔ بزرگوں کی دعائیں، حافظہ کی باتیں، تعلیم میں مشکلات، ہمدردوں کی تلاش، صابن سازی کا شوق، مدارس عربیہ بہاولپور، سیالکوٹی تحصیل، تکمیل درس نظامی، سند الفراغ، آزمائش پر آزمائش، دارالعلوم دیو بند میں قیام، درس وتدریس کا شغل، مدرسہ حسنیہ مرشد آباد شریف، بیعت کا شرف، تین یادگاریں، تصنیف وتالیف۔اندھیر نگری کے واقعات، شادی اور اولاد، اولاد کو وصیت اور فوائد متفرقہ جیسے عنوانات قائم کیے۔ سہل، آسان اور رواں زبان میں اپنی زندگی کے حالات وواقعات بیان کیے ہیں۔مولانا اس خود نوشت سوانح کی تالیف سے ۱۹جولائی ۱۹۶۴ء میں فارغ ہوئے۔

اس کی کتابت آپ کے تلمیذ پیر زادہ اختر مرشد آبادی نے کی۔ادارہ خدمت دربار حسنیہ مرشد آباد ضلع میانوالی نے اگست ۱۹۶۴ء میں ثنائی پریس سرگودھا سے شائع کیا۔[48]

غیر مطبوعہ تصانیف:

مولانا فیض محمد گجوی کی بعض تصانیف ایسی ہیں جو زیور طباعت سے آراستہ نہ ہو سکیں۔ان کی ان کتب کے قلمی نسخوں کا بھی کوئی علم نہیں ہے۔ہو سکتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کے قلمی نسخے بھی کتب خانے کے ساتھ فروخت کر دیے گئے ہوں۔خود مولانا نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں درج ذیل کتب اوران کی عدم اشاعت کا ذکر کیا ہے۔

۱۔تنویر العین فی ذکر الحسین:

حضرت امام حسینؓ کے حالات خصوصاً واقعہ شہادت اور شہادت کے بعد کے واقعات پر مشتمل ہے۔

۲۔مذہب اہل سنت:

بعض مختلف فیہ مسائل کے بارے اہل سنت کا موقف بیان کیا گیا ہے۔

۳۔زبدۃ النجوم حل مائۃ عامل منظوم:

مائۃ عامل کی فارسی زبان میں شرح ہے۔

۴۔حاشیۃ نصاب ضروری:

متداول فارسی کتاب نصاب ضروری کا اردو حاشیہ ہے۔

۵۔مقیاس العقول:

فن معقول کی معروف کتاب قاضی مبارک کا اردو زبان میں گراں قدر حاشیہ ہے۔

۶۔حل دلیل افتراضی:

یہ مختصر رسالہ شرح تہذیب کے ایک مشکل مقام دلیل افتراضی کے حل پر مشتمل ہے۔

۷۔ہدایۃ الصرف:

علم صرف کے قوانین پر مشتمل ہے۔

۸۔تقاریر ترمذی شریف:

جامع ترمذی کے ایسے مسائل جن میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے،کو دلائل وروایات کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔[49]

نتائج بحث:

۱۔ پسماندہ علاقے سے تعلق رکھنے والے ایک غریب گھرانے کے فرد مولانا فیض محمد قادری نے حصول علم کے لیے بڑی مشکلات کا سامنا کیا۔مگر یہ مشکلات اس پُر عزم انسان کا راستہ نہ روک سکیں۔

۲۔ انہوں نے نامساعد حالات کے باوجود اپنی پوری زندگی تعلیم و تعلم، درس وتدریس اور علمی مشاغل میں گزاری۔

۳۔ عسرت، تنگ دستی اور غربت کے ماحول میں قدرت نے انہیں حق گوئی، مستقل مزاجی اور جرأت و بہادری جیسی صفات سے محروم نہیں رکھا۔ انہوں نے اپنی غربت کو اپنے فن کا مذاق اڑانے سے اپنے عزم کی وجہ سے باز رکھا۔

۴۔ دور افتادہ اور پسماندہ علاقے کے جفاکش اور محنتی عالم نے اپنی کئی علمی یادگاریں چھوڑیں، اگرچہ حالات کی ستم ظریفی اور مرور زمانہ سے ان کا بہت سا علمی اثاثہ اور قلمی سرمایہ ضائع بھی ہوا۔

۵۔ مولانا فیض محمد قادری کا ایک شاندار کتب خانہ تھا، جس میں عربی اور فارسی کی سینکڑوں مطبوعہ کتب کے علاوہ کچھ نادر اور قیمتی مخطوطات بھی موجود تھے۔

۶۔ مولانا فیض محمد قادری کی زندگی ہی میں ان کی پانچ تصانیف زیور طباعت سے آراستہ ہوئیں اور ان میں سے بعض نے قبول عام بھی حاصل کیا۔

۷۔ ان کی آٹھ تصانیف شائع نہ ہو سکیں، ان کے صرف نام باقی ہیں۔ ان کے قلمی نسخوں تک کا سراغ نہیں ملتا۔

حواشی وحوالہ جات

[1]۔ گجوی، مولانا فیض محمد، **میری زندگی**، ثنائی پریس سرگودھا۔ س ن، ص ۱۲۔

[2]۔ ایضاً۔

[3]۔ ایضاً ص ۸۔

[4]۔ ایضاً ص ۱۰۔

[5]۔ ایضاً ص ۱۲۔۱۳۔

[6]۔ ایضاً ص ۱۹۔۲۰۔

[7]۔ ایضاً ص ۲۱۔

[8]۔ ایضاً ص ۲۲۔

[9]۔ ایضاً ص ۲۳۔

[10]۔ ایضاً ص ۲۷۔

[11]۔ ایضاً ص ۱۵۔

[12]۔ ایضاً ص ۱۶۔

[13]۔ محولہ بالا۔

[14]۔ ایضاً ص ۱۷۔

[15]۔ ایضاً ص ۱۷۔۱۸۔

[16]۔ ایضاً ص ۳۱۔۳۲۔

[17]۔ایضاً ص ۲۸۔ [18]۔ایضاً ص ۳۱۔

[19]۔۸۰ سالہ مولانا عبید اللہ، درابن خورد، علاقہ دامان ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان میں مقیم ہیں اور وہاں کی جامع مسجد کے خطیب ہیں۔

[20]۔عربی زبان وادب کے نامور اور ملک گیر شہرت کے حامل درویش صفت عالم دین ہیں۔ بڑا عرصہ گورنمنٹ کالج بھکر میں عربی زبان کی تدریس کی خدمات سرانجام دیتے رہے اور وہاں سے بحیثیت پرنسپل ریٹائرڈ ہوئے۔ آج بھی ان کا سرچشمہ علم وفیض جاری ہے۔

[21]۔نیک سیرت اور سادہ لوح صاحبزادہ عبدالمعید سبحانی خانقاہ مرشد آباد شریف کے سجادہ نشین ہیں۔ عمر تقریباً ۷۰ سال تک پہنچ چکی ہے، پھر بھی عوام وخواص کی خدمت کا درویشانہ کام بڑی مستعدی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ مولانا فیض محمد گجوی کی خودنوشت سوانح حیات " میری زندگی " کی کتابت کرنے کا انہیں شرف حاصل ہے۔

[22]۔انسان دوست، خوش مزاج اور منکسر المزاج مولانا محمد حسین صدیقی خطابت کے حوالے سے اچھی شہرت کے حامل خطیب ہیں۔ بھکر میں مقیم ہیں۔ بڑھاپے کے باوجود ان کی خطابت آج بھی اپنا ایک خاص رنگ رکھتی ہے۔

[23]۔گجوی، **میری زندگی**، ص ۲۹۔۳۰۔

[24]۔محمد ہاشم، **مولانا فیض محمد قادری گجوی حیات وخدمات**، (مقالہ ایم۔اے)، شعبہ علوم اسلامیہ وعربی، گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسمٰعیل خان، ص ۵۰۔۵۱۔

[25]۔گجوی، **میری زندگی**، ص ۲۵۔

[26]۔ایضاً ص ۱۶۔

[27]۔محولہ بالا۔

[28]۔محمد ہاشم، **مولانا فیض محمد قادری گجوی حیات وخدمات**، ص ۶۴۔

[29]۔گجوی، **میری زندگی**، ص ۳۴۔

[30]۔محمد ہاشم، **مولانا فیض محمد قادری گجوی حیات وخدمات**، ص ۳۵۔

[31]۔ایضاً ص ۶۳۔

[32]۔گجوی، **میری زندگی**، ص ۴۴۔

[33]۔محمد ہاشم، **مولانا فیض محمد قادری گجوی حیات وخدمات**، ص ۶۴۔

[34]۔ایضاً ص ۳۱۔۳۲۔

[35]۔ایضاً ص ۵۰۔۵۱۔

[36]۔ایضاً ص ۳۹۔

[37]۔ایضاً ص ۶۰۔

[38]۔ایضاً ص ۶۱۔

[39]گجوی، **میری زندگی**، ص ۳۰۔

[40]۔سورۃ الاسراء ۱:۱۷۔

[41]گجوی، مولانا فیض محمد، **درۃ التاج فی مسئلۃ المعراج**، نوری رضویہ پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۷۔ [42]گجوی، **میری زندگی**، ص ۳۵۔ [43]ایضاً ص ۳۴۔

[44]گجوی، مولانا فیض محمد، **سرور العباد فی بیان المیلاد**، مکتبہ سعیدیہ رضویہ، مدرسہ شوکت اسلام، خانیوال، ۱۹۸۳ء، ص ۱۶۔ [45]ایضاً ص ۱۱۔

[46]گجوی، مولانا فیض محمد، **اعلاء اللواء فی تحقیق البناء علی قبور الاولیاء**، دین محمدی پریس لاہور ۱۹۶۰ء، ص ۵۔

[47]گجوی، **میری زندگی**، ص ۵۔ [48]ایضاً ص ۴۔۵۔ [49]ایضاً ص ۳۶۔۳۷۔